OPEN ACCESS
Hazara Islamicus
ISSN (Online): 2410-8065
ISSN (Print): 2305-3283
www.hazaraislamicus.hu.edu.pk

Hazara Islamicus, Vol.:8, Issue: 2, July-Dec 2019
PP: 69-84

Scan for Online Version

پیروکارانِ صلیب کے لیے صوفیاء کا منہج دعوت

Sufis approach of proportion of Islam among the followers of Christianity

Syed Adeel Shah
Ph.D Scholar, Comparative Religions, IIU, Islamabad

Abstract

Sufism has sometimes been considered influenced by Christian asceticism. Muslims scholars have taken it into account as it was the of Christian and Muslim perceptions of valuelessness and nothingness of this worldly life. To some extent it can be justified with the reference of "Nussak", a group of pious people appeared sudden after early decades of emergence of Islam. Later the scenario happened to be changing as the Sufis started proving superiority of Islam on Christianity. They used to preach Christian monks and tried to invite them to embrace Islam. They visited Christian's churches as well. Examples of various Sufi saints can be presented in this regard. In this study, those Sufi scholars have been presented with re.

Keywords: *Sufi, Islam, Preaching, Christians*.

صدرِ اسلام کے عبادت گزار مسلمان گوشہ نشینوں کو "زہاد" یا "نُساک" کا نام دیا گیا تھا۔ نساک کی اصطلاح اسلام کے ابتدائی زمانوں کے ادب میں ملتی ہے۔نساک اور معاصر صوفیا کے عقائد و نظریات میں کتنا فرق ہے؟اس سے متعلق دستاویزات میں موجود نساک کے عقائد پر غور کرنا ضروری ہے۔المقالات الاسلامیہ میں ابوالحسن الاشعریؒ نے نساک کے مندرجہ ذیل اہم آٹھ عقائد بیان کیے ہیں:

1. نساک کا عقیدہ تھا کہ خدا انسانی جسم میں حلول کر جاتا ہے۔جب وہ خوب صورتی کو دیکھتے تو کہتے کہ کون جانتا ہے کہ ممکن ہے یہ خدا ہی ہو۔
2. نساک کا عقیدہ تھا کہ انسان کے اپنے نیک اعمال کی بدولت دنیا میں خدا کا دیدار کرنا ممکن ہے۔
3. دیدارِ الٰہی کی طرح مجلسِ خداوندی سے استفادہ بھی ممکن ہے۔
4. خدا کا وجود انسان کے وجود کی مانند ہے۔انسان کی مانند اس کے بھی اعضائے جسد ہیں جن میں خون گردش کرتا ہے۔

CC BY

5. خدا اپنے احکامات کی اطاعت پر خوش اور بغاوت پر ناراض ہوتا ہے۔
6. خدا کی سچے دل سے عبادت کرنے والو کو دیگر نیک اعمال اور اخلاقی ذمہ داریوں سے آزادی مل جاتی ہے۔
7. خدا کے سچے عابدوں کو نہ صرف دنیا میں اس کا دیدار ہوتا ہے بلکہ حیاتِ ارضی میں ہی وہ جنت کے پھل دنیا میں ہی کھاتے ہیں، جنتی حوروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔
8. سچے عابدوں کو انبیا اور فرشتوں سے بھی زیادہ اعلیٰ مقام پر سرفراز کیا جاتا ہے۔[1]

انسان کے خدا کے جسم میں حلول کر جانے کا عقیدہ اسلام سے قبل عیسائیت میں موجود تھا[2]۔ چنانچہ پہلا نقطہ جس میں خوبصورت چیزوں میں خدا کے وجود کا امکان ظاہر کیا گیا ہے، ممکن ہے کہ تورات میں مذکور موسیٰ علیہ السلام پر نبوت کے نزول کے وقت کی یاد دہانی ہو۔ اس وقت بھی تورات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک روشن جھاڑی میں سے خدا کی آواز آئی تھی البتہ انھوں نے خدا کا دیدار نہیں کیا تھا[3]"۔ یہی واقعہ قرآن مجید میں بھی قدرے فرق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے[4]۔ دوسری جانب عہد نامہ جدید کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا دیدار کیا تھا[5]۔

مجلس خداوندی سے استفادے کے حوالے سے بائبل اور قرآن دونوں میں موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کی حقیقت کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح معراج کے موقع پر رسالت مآب ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا ذکر احادیث میں ملتا ہے جس کے دوران آپ ﷺ کو نمازیں اور سورۃ بقرۃ کی آیات عطا فرمائی گئی تھیں۔ اسی ایک نقطے کو مبالغے کے ساتھ پیش کرتے ہوئے نساک نے بطور عقیدہ اپنا رکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ دعویٰ کہ وہ انسان کے جسم کی مانند وجود رکھتا ہے، نعوذ باللہ بہت بڑا دعویٰ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید میں انسانی جسم کے اعضا کی طرح اللہ تعالیٰ کے لیے اعضا کا بیان بھی موجود ہے لیکن کہیں بھی یہ نہیں ہے کہ اللہ کے اعضا انسان کے اعضا کی مانند ہیں۔ یہ تصور نساک کے ہاں عیسائی راہبوں کی طرف سے آیا تھا کیونکہ وہاں عیسیٰ علیہ السلام کو خدا قرار دینے کے بارے میں کسی قسم کی کوئی اختلافی رائے موجود نہیں تھی۔ اس کے علاوہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے کے بعد اس امر کے امکانات موجود ہیں کہ عقلِ انسانی میں خدا کا تصور وہی پیدا ہو سکے جو انسان کا ہے۔

ممکن ہے کہ نساک کے عقائد کی تشکیل میں دونوں الہامی کتب سے روشنی حاصل کی گئی ہو۔ آخری نقطہ جس میں نیک لوگوں کو فرشتوں سے بھی زیادہ افضیلت کا حامل قرار دیا گیا ہے اس کے ضمن میں یہ امکان موجود ہے کہ پولس کے اس پیغام سے استفادہ کیا گیا ہو کہ:

"کیا تم نہیں جانتے کہ ہم فرشتوں کا انصاف کریں گے، اس دنیا کے معاملات کا تو ذکر ہی کیا[6]"۔

المختصر مذکورہ بالا عقائد کا اصل مصدر کچھ بھی ہو، یہ تو واضح ہے کہ نساک نے اپنے عقائد کے لیے ان ذرائع سے بھی استفادہ کیا تھا جو قرآن مجید کے علاوہ تھے۔ ان میں سے بعض لوک داستانیں، بعض باطنی سلسلوں کی تعلیمات اور بعض کاہنوں کی روایات ایسی ہیں جو نساک کی عملی مشقوں میں نظر آتی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جن ممالک کو مسلمانوں نے فتح کیا ان میں راہبوں اور زاہدوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ دیگر مذاہب بالخصوص عیسائی راہبوں سے میل ملاپ کی وجہ سے داخلی تقویٰ کی طرف بڑھنے کی رغبت پیدا ہوئی۔

عیسائی راہبہ مارگریٹ سمتھ (*Margaret Smith*) نے اپنی کتاب "*Studies in Early Mysticism*" میں دعویٰ کیا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں مشرقی دنیا میں تصوف اسلام کے ظہور سے قبل ہی منظر عام پر آ چکا تھا۔ اس مصنفہ نے

قبل از اسلام اور بعد از اسلام عمل میں آنے والی ایسی سرگرمیوں کا تجزیہ کیا ہے جن کا مقصد انسانی زندگی میں پرہیزگاری کی ترویج کرنا تھا۔اس کا خیال ہے کہ قرآن مجید کے نزول کے بعد مسلمانوں کے تصورِ تقویٰ اور عیسائیوں کے تصورِ رہبانیت میں ملاپ ہوا اور تصوف کی صورت میں ایک نیا نظام منصہ شہود پر آگیا[7]۔

اس کے بعد سویڈن کے ایک سکالر ٹور اندرائے(Tor Andrae) نے بھی اپنی کتاب "Islamische Mystiker" اسی سے ملتا جلتا تصور پیش کیا۔اس نے مسلمان اور عیسائی معاشروں میں عمل میں آنے والی ریاضتوں کو بیان کرتے ہوئے ان کے مابین ربط اور موافقت تلاش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ تصوف کا نقطہ آغاز پیش کیا جاسکے[8]۔

راقم الحروف کا موقف ہے کہ مغربی مصنفین مثلاً Von Kremer[9] اور جولین بیلک[10] وغیرہ نے تصوف کو عیسائی رہبانیت سے مستعار لینے کا جو الزام مسلمان صوفیا پر لگایا ہے یہ الزام دراصل اس لیے پیدا ہوا کہ انھیں نساک اور زہاد میں فرق ہی معلوم نہیں ہو سکا تھا۔تصوف بعد میں ایک مکمل شعبے کے طور پر ظہور پذیر ہوا تھا جبکہ جن لوگوں کو مستشرقین صوفیا کی صورت میں پیش کرتے ہیں وہ نساک ہیں اور یقیناً ان کے عقائد کی تشکیل میں عیسائی راہبوں کا کوئی نہ کوئی کردار بھی ہو گا لیکن وہ زیادہ عرصے تک منظر پر نہیں رہے بلکہ بہت جلد غائب ہو گئے تھے۔جب کہ صوفیا کا رویہ عیسائی راہبوں کے ساتھ وہی تھا جو دیگر ادیان کے لوگوں کے ساتھ تھا۔ وہ ان راہبوں کو بھی اسی طرح اسلام کی دعوت دیتے تھے اور ان کے سامنے ادیانِ عالم پر اسلام کی فوقیت ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے جس طرح کہ دیگر اقوام کے غیر مسلم افراد کے سامنے کرتے تھے۔

ان میں سے ایک مثال ابو نعیم اصبہانیؒ نے مالک بن دینارؒ (م:744) کے سامنے بیان کی جو کہ تورات پڑھ چکے تھے اور انجیل کے حصوں سے بھی متعارف تھے۔وہ بتاتے ہیں کہ:

> "میں نے ایک راہب کو پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔میں نے اس راہب سے مخاطب ہو کر کہا" مجھے کچھ ایسا سکھاؤ جس سے دنیا میرے لیے بے وقعت ہو جائے"۔اس نے جواب دیا"کیا تمہارے پاس وحی اور قرآن نہیں ہے؟"۔میں نے جواب دیا: "ہاں، ہے۔لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے کچھ ایسا سکھاؤ جس کا تم نے خود تجربہ کیا ہو تاکہ میں دنیا سے مستغنی ہو جاؤں"۔اس نے کہا: "اگر تم اپنے اور اپنی خواہشات کے درمیان لوہے کی ایک چادر رکھ سکو، تو رکھ لو(اس سے تمہاری نظر میں دنیا بے قیمت ہو جائے گی)[11]۔

مسلمان مورخین واضح انداز میں اس طرز کے واقعات کے ذریعے یہ باور کرتے ہیں کہ عیسائی راہب بھی قرآن مجید کی اہمیت سے آگاہ تھے۔ مسلمان کو اپنا قرآن کسی ایسے شخص سے سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے جو اس الہامی کتاب کا پیروکار نہ ہو، اس کے باوجود علم کے متلاشی مسلمان عیسائی راہب سے سیکھنے میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔چنانچہ ایسی صورت میں اگر کوئی مسیحی جواب دے دے تو مسلمان کے لیے زہد پر عمل کرنا اور تکالیف کو تحمل سے برداشت کرنا مزید آسان ہو جاتا ہے۔راہب کی دی گئی تجویز مسلمان کے لیے بالکل ابتدائی نوعیت کی تھی لیکن اس سے خانقاہی اخلاقیات کے اصولوں کا احیاء ہوتا ہے۔مذکورہ واقعہ میں راہب کی زبان سے کہلوایا گیا ہے کہ قرآن مجید نفسِ امارہ کی مذمت کرتا ہے کیونکہ وہ گناہوں کی جانب رغبت دیتا ہے[12]،راہب اسی نفس امارہ کو جانتا تھا اور اس نے ایک مسلمان کو قرآن مجید ہی کی روشنی میں دنیا کی رنگینیوں سے بے نیاز ہونے کا مشورہ دیا تھا۔راہب کی مذکورہ اخلاقی نصیحت بے شک بظاہر کمزور نظر آتی ہے لیکن اس سے واضح ہونے والا نکتہ یہی ہے کہ تصوف محض

ایک مذہب نہیں ہے بلکہ یہ ایک عملی مشق ہے جو ادب کے اعلیٰ معیار کو انسانی رویے میں پیدا کر کے اس کو کمال تک پہچاتی ہے۔

مسلمان زہاد اور متقی حضرات کا عیسائی راہبوں کے ساتھ ماضی کا رویہ واضح کرنے کے لیے کئی شواہد موجود ہیں۔ مغربی علما بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ مسلمانوں نے عیسائی زاہدوں کے ساتھ روابط کو قطعاً معیوب نہیں گردانا، وہ اسلام کے امتیاز کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے، یہ ترجیح ہر واقعہ کے آخر میں واضح ہو جاتی ہے۔ محمد بن یعقوب، جو حارث بن اسد المحاسبیؒ (م: 857) کے قصے سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"میں نے دمشق کو خیر آباد کہا اور صحرا میں چلا گیا۔ اچانک میں نے اپنے آپ کو ایک بیاباں اور بے راہ مقام پر پایا۔ میں اس میں بھٹکتا رہا، یہاں تک کہ میں مرنے کے قریب پہنچ گیا۔ جب میں اس حالت میں تھا، میں نے دو راہبوں کو آتے دیکھا۔ میں نے سوچا کہ ان کا تعلق کسی قریبی علاقے سے ہو گا اور وہ کسی خانقاہ میں جا رہے ہوں گے جو زیادہ دور نہیں ہو گی۔ میں ان کے پاس پہنچا اور پوچھا: "تم لوگ کہا جا رہے ہو؟"۔ انھوں نے جواب دیا: "ہم نہیں جانتے"۔ میں نے پوچھا: "کیا تم جانتے ہو کہ تم کہاں ہو؟"۔ انھوں نے جواب دیا: "ہاں، ہم اس کی حکومت میں ہیں، اس کی سلطنت میں ہیں اور اس کے حضور پیش ہیں"۔ یہ سن کر میری غیرت کو جوش آیا، میں نے خود سے کہا: "ان دونوں کو خدا پر غیر مشروط اعتماد اور توکل ہے لیکن تمہیں نہیں ہے"۔ پھر میں نے ان سے پوچھا: "کیا میں تمہارے ساتھ آ سکتا ہوں؟"۔ انھوں نے جوب دیا: "تم جو چاہو کرو"۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ چلا گیا۔ جب دن ڈھلنے لگا تو وہ دونوں عبادت کے لیے رکے۔ ان کو دیکھ کر میں نے بھی ریت سے تیمّم کر کے مغرب کی نماز ادا کی۔ جب انھوں نے مجھے ریت سے تیمّم کرتے دیکھا، وہ میرے اس عمل پر مسکرائے۔ جب انھوں نے عبادت کر لی تو ان میں سے ایک نے زمین کو کھرچا اور اس میں سے پانی اور تیار شدہ کھانا نکل آیا۔ میں حیران کھڑا رہا۔ انھوں نے کہا: "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ آؤ، کھاؤ اور پیو۔" ہم نے کھانا کھایا اور پانی پیا۔ جب میں اگلی نماز کے لیے تیار ہوا تو پانی ختم ہو کر غائب ہو گیا۔ انھوں نے اپنی عبادت جاری رکھی اور میں نے بھی ان کے بعد نماز ادا کی۔ صبح تک وہ عبادت کرتے رہے اور میں نماز (نفل) پڑھتا رہا۔ صبح کی نماز پڑھ کر ہم نے سفر جاری رکھا۔ دن بھر یہ سفر شام تک جاری رہا۔ جب رات ہوئی، دوسرا راہب آگے بڑھا، اپنے دوست کے ساتھ عبادت کی، خدا سے مدد طلب کی، زمین کو اپنی انگلیوں سے کھرچا تو فوری طور پر پانی نکل آیا اور کھانا بھی پیش ہو گیا۔ تیسری رات انھوں نے مجھ سے کہا: "اے مسلمان! اب آج کی رات تمہاری باری ہے۔ خدا سے کچھ مانگو!"۔ میں نے وہی طریقہ اپنایا کیونکہ میں بہت پریشان اور شرمندہ تھا۔ چنانچہ میں نے دعا کی: "اے اللہ! میں جانتا ہوں کہ میرے گناہوں کی وجہ سے میں تیرے سامنے کھڑا ہونے کے لائق نہیں ہوں۔ لیکن میری دعا ہے کہ ان کے سامنے مجھے بے عزت مت کر، میرے ذریعے اپنے نبی کی امت کو غلبہ عطا فرما"۔ اس کے بعد پانی کی ایک ندی برآمد ہو گئی اور تیار شدہ کھانا بھی سامنے آ گیا۔ تین راتوں کا یہ دور کئی مرتبہ چلا۔ آخر میں مسلمان کو ایک آواز

آئی: "اے محمد بن یعقوب! ہم نے تمام انبیاء اور رسولوں پر محمد رسول اللہ ﷺ کو جو فضیلت بخشی تھی اس کا اظہار تمہارے ذریعے کیا ہے۔اے پیغمبر ﷺ یہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کو اعزاز بخشے جانے کی ایک نشانی ہے"۔اس طرح خدائی آواز مسلمانوں کی عیسائیوں پر تری اور فتح کا اعلان کرتے ہوئے اسلام کی افضیلت کو قائم کرتی ہے۔یہ واضح ہے کہ دونوں راہب دلیل و برہان کے حوالے سے اس وقت مقابلہ نہ کرسکے اور موقع پر ہی مسلمان ہو گئے[13]۔

اس واقعہ میں دو راہبوں کا ایک ایسا طرزِ حیات پیش کیا جارہا ہے جو آگے جا کر تصوف کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔تمام مذاہب کی صوفیانہ جستجو میں حقیقت عظمیٰ کے سامنے مکمل طور پر سرِ تسلیم و رضا خم کر دینا ایک بنیادی تقاضہ ہے۔سالکوں کو محض ایک بات کا یقین ہوتا ہے کہ وہ جہاں بھی جائیں، وہ اس کی حکومت میں، اس کی سلطنت میں اور اس کے حضور ہیں۔اس کے علاوہ ان کے سامنے کوئی اور حقیقت نہیں ہوتی ہے۔ان کی دنیاوی زندگی کے حالات ان کی روحانی بالیدگی پر اثر انداز نہیں ہوتے ہیں۔وہ جہاں کہیں بھی بھٹک جائیں، خدائی حفاظت میں رہتے ہیں۔اس ضمن میں قرآن مجید میں اللہ کا فرمان ہے کہ:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾[14]

اور اللہ ہی کے لیے مشرق و مغرب ہے، تو تم جس طرف رخ کرو، سو وہیں اللہ کا چہرہ ہے۔

اس عقیدے کے حامل افراد روحانی آزادی سے لطف اٹھاتے ہیں اور اس آزادی کا سب سے اہم یقین یہی ہے کہ ان کی تمام ضروریات کو اللہ تعالیٰ پورا کرتا ہے۔وہ چیزوں کو ان کی ماہیت کے مطابق نہیں بلکہ ان کی حقیقت کے مطابق دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس سے محبت کرتے ہیں۔پانی اور کھانے کے ظہور کے معجزانہ ظہور کے تصور کے ذریعے ان کے ایقان کی کلی آزادی کو مقبول الفاظ واضح کر دیتے ہیں۔مذکورہ قصے میں یہی حقیقت پیش کی گئی ہے۔خدا کی دی ہوئی آزادی روحانی شخصیتوں کو ایسے مقام سے سرفراز کرتی ہے جہاں پہنچ کر وہ خوراک، رہائش اور لباس کے مسائل کی فکر سے آزاد ہو جاتے ہیں۔یہی توکل کا ثمر ہے اور یہی وہ مذہبی رویہ ہے جس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تعلیم دی ہے:

"یہی وجہ ہے کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ نہ تو اپنی جان کی فکر کرو کہ تم کیا کھاؤ گے یا کیا پیو گے۔نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنو گے۔۔۔۔۔۔لیکن پہلے تم اس کی بادشاہی اور راستبازی کی جستجو کرو تو یہ چیزیں بھی تمہیں عطا کر دی جائیں گی[15]"۔

مذکورہ واقعہ میں صدرِ اسلام کے صوفیا کا عیسائیت کے بارے میں یہی تصور واضح کیا جارہا ہے کہ اگرچہ عیسائی راہب اللہ تعالیٰ کی رحمت میں تھے اور اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے، وہ نیکی اور پارسائی میں کمال پر پہنچ چکے تھے اور فنا فی اللہ تھے، اس کے برعکس مسلمان صوفی اپنے گناہوں کا بذات خود اقرار کر رہا ہے لیکن اس کو یقین ہے کہ عیسائیت کے مقابلے میں اسلام ایک افضل اور غالب مذہب ہے۔

اولین صوفیا (جن کو ابھی تک صوفی کا نام نہیں دیا گیا تھا) میں سے ذولنون مصریؒ (196-856ء) کا اعلیٰ مقام ہے۔روایات کی روشنی میں آپ رحمہ اللہ کی شخصیت کا مطالعہ اس ضمن میں کئی نئے پہلو اجاگر کرتا ہے۔وہ قرآن مجید کے تصورِ تقویٰ و زہد کے حوالے سے وسیع الذہبی کا ایک عظیم حوالہ تھے۔نیل کے ساحل پر ان کے متعدد اسفار کے دوران یروشلم کے پہاڑ پر

اور دمشق میں ان کی ملاقات کئی زاہدوں اور راہبوں سے ہوئی جن میں سے کچھ لوگوں نے عیسائی اور بعض لوگوں نے غناسطی[16] عقائد (gnostic doctrine) کو اپنا رکھا تھا۔ ذوالنون فرماتے ہیں کہ:

"جب میں دمشق میں چل رہا تھا، میں نے ایک عابد دیکھا جو ایک غار سے نکلا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو فوری طور پر اپنے آپ کو ایک جھاڑی میں چھپا لیا۔ میں نے اس کو کہتے ہوئے سنا: "اے میرے خدا! جو لوگ تجھ سے دوری کا سبب بنتے ہیں ان سے میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ اے غناسطیوں کے پناہ دہندہ! اپنی جانب راغب ہونے والوں کے دوست، مخلصوں کے مددگار اور محبت کرنے والوں کی امید!" پھر وہ رو دیا یہاں تک کہ غش کھا کر گر گیا۔ زیادہ دیر تک اس حالت میں رہنا اس کے لیے ایک تکلیف دہ امر تھا۔ اس نے دوبارہ کہا: "عظیم ہے وہ ذات جو غناسطیوں کو دنیا کے دکھوں سے نجات دے کر اپنے وصال کی لذت سے بہرہ ور کرتی ہے۔ ان کے لیے اُس کا نام لینے اور خلوت میں اس سے ہمکلام ہونے سے زیادہ لذت اور سکون اور کسی کام میں نہیں ہے"۔ پھر وہ "قدس قدس" کہتا ہوا چلنے لگا۔ میں نے اس کو پاس بلایا۔ وہ میرے پاس آیا اور دعا کرتے ہوئے کہنے لگا "میں نے خدا سے وصال کے حوالے سے اپنے دل کے تمام دکھوں اور مصائب کو تمہارے سوا کسی کے سامنے کھول کر نہیں رکھا"۔ میں نے اس کے لیے سلامتی کی دعا کی اور اس سے کہا کہ وہ بھی میرے لیے خدا سے دعا کرے۔ اس نے کہا: "میرے خدا! اس کی نیک تمناؤں کے مطابق اس کی تکالیف کو آسانیوں میں بدل دے اور اپنی طرف اس کے سفر کو آسان کر دے تا کہ اس کے اور تیرے درمیان وصال کے لیے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے"۔ پھر وہ بھاگ کر میری آنکھوں سے یوں اوجھل ہو گیا جیسے کوئی شیر کو دیکھ کر فرار ہو جاتا ہے[17]"۔

مذکورہ روایت کے مطابق یہ راہب ایک ایسا انسان تھا جو خدا کا عبادت گزار، عجیب رویے کا حامل، غار کا رہائشی، لوگوں سے حیا محسوس کرنے والا، مسافروں سے ملنے سے محترز، خدا کا شکر گزار اور قدس قدس کہتے ہوئے خدا سے لگاتار دعائیں کرنے والا تھا۔ لطف کا نقطہ یہ ہے کہ ذوالنون نے اس راہب سے دعا کی درخواست کی اس نے آپ کے لیے مسیحیت کی دعائے خیر (benediction) کی۔ ان لوگوں کو مسلمان صوفیا نے کافر کہہ کر رد نہیں کیا بلکہ ان کو ایک اپنی مانند سابقہ شریعت کے عابد خیال کیا۔ یہی رویہ دونوں مذاہب میں متوازی چلتا ہے اور اسی رویے کی مثالیں ان مذہبی مصادر میں بھی موجود ہیں جو یہودی اور عیسائی تصوف سے متعلق منصہ شہود پر آ چکے ہیں[18]۔

ہمیں ایسے صوفیا بھی ملتے ہیں جنہوں نے وحدتِ مذاہب کا تصور دینے کے بجائے خالص توحید کے پرچار کی مثالیں پیش کی ہیں۔ محمد بن منور نے اس حوالے سے اپنی کتاب میں ایک حکایت لکھی ہے کہ:

"ابو سعید بن ابو الخیرؒ (867-1049ء) خراسان کے ایک صوفی تھے۔ ایک ایک گرجے میں داخل ہوئے جہاں عیسائی راہب حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کے مجسموں کے سامنے جھکے ہوئے تھے۔ انھوں نے غصے میں آ کر کہا کہا "اے عیسیٰ علیہ السلام کیا آپ نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ آپ اور آپ کی والدہ کے مجسمے کی پوجا کریں؟ اب اگر پیغمبر محمد ﷺ کے الفاظ سچے ہیں تو آپ سچے

اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں"۔ اسی وقت مجسمہ زمین پر گر پڑا اور اس وقت اس کا چہرہ کعبہ کی طرف تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر چالیس عیسائی مسلمان ہو گئے[19]"۔

ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے جو اسی ضمن میں ان کے کردار پر مزید روشنی ڈالتا ہے:

"وہ ایک گرجے میں داخل ہوئے جہاں عیسائی عبادت کے لیے جمع تھے۔ شیخ کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر انھوں نے ان کو احترام اور اکرام سے نوازا۔ شیخ نے ایک قاری کو حکم دیا کہ قرآن مجید کی کچھ آیات پڑھ کر سنائے۔ سب عیسائی ان آیات کو حیرت سے سن رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ چرچ سے نکلتے ہوئے شیخ کے خدمت گاروں کو افسوس ہونے لگا کہ ان کے آقا نے عیسائیوں کو اسلام قبول کرنے کی علامت کے طور پر ان کے زنار پھاڑنے کی دعوت نہیں دی۔ ان کو دیکھ کر الشیخ نے کہا: "ان کو زنار میں نے نہیں دیے تھے۔ اس لیے ان کو ضائع کرنا میرا کام نہیں ہے[20]"۔

معلوم ہوتا ہے کہ صوفیا کے نزدیک یہی کافی تھا کہ عیسائیوں کے سامنے قرآن مجید کا پیغام رکھا جائے۔ اسی لیے ان کی روش میں عیسائیوں کے شعائر کی بے حرمتی سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔

دیگر ادیان کی موجودگی کی اجازت اور ان کے پیروکاروں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت کا مزاج جلال الدین رومی (1207-1273ء) کے ہاں بھی ملتا ہے۔ ان کے معتقدین نے ان کے اقوال اور ارشادات کو جمع کر کے آگے پہنچایا ہے جس کی مدد سے ان کے موقف کو سمجھنا آسان ہے[21]۔ ایک ارشاد میں مولانا فرماتے ہیں:

"خالق کی محبت پوری دنیا اور سب انسانوں میں پنہاں ہے خواہ وہ میجائی قوم کے لوگ ہوں، یہودی ہوں، عیسائی ہوں۔ آخر انسان اس کے ساتھ محبت کیونکر نہیں کر سکتا ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے۔ یقیناً محبت ہر انسان میں پوشیدہ ہے لیکن رکاوٹیں محبت پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ جب وہ رکاوٹیں ہٹ جاتی ہیں تو محبت اپنا وجود ظاہر کرتی ہے[22]"۔

اس کے بعد مولان رومی نے فارسی شاعر ثنائی کا ایک شعر نقل کیا ہے جس کا ترجمہ ہے کہ "اے خدا کفر اور دین دونوں کے راستے تیری جانب ہی "لا الہ الا اللہ" کہتے ہوئے آ رہے ہیں۔ مولانا رومی کا خیال ہے کہ بت مردہ اجسام ہیں اور ان میں عقل و خرد سرے سے موجود نہیں ہے لیکن ان کی پوجا بھی خدا کی مرضی سے کی جا رہی ہے۔ مولانا رومی نے لکھا ہے کہ:

"جو پتھروں کو پوجتے ہیں ان کا احترام اور تعظیم کرتے ہیں، ان سے امیدیں، ضرورتیں، آنسو اور توقعات وابستہ کرتے ہیں۔ پتھر نہ تو ان چیزوں کو جانتا ہے اور نہ محسوس کرتا ہے۔ تاہم خداے برتر نے پتھروں اور بتوں کو اپنی بندگی کے ایک ذریعے کے طور پر ان کو بنایا ہے جس سے پتھر اور بت یکسر انجان ہیں[23]"۔

اس طرح کے تصورات کے مطابق غیر اسلامی مذاہب جن میں بتوں اور شبیہات کی پوجا ہوتی ہے، معقول اور جائز قرار پاتے ہیں کیونکہ وہ بھی خدا کی مرضی کے تابع ہی ہیں۔ اس حوالے سے مولانا رومی ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک روز میں لوگوں کے ایک گروہ سے بات کر رہا تھا اور غیر مسلموں کا ایک جتھا بھی وہاں موجود

تھا۔ تقریر کے دوران ہی انھوں نے رونا شروع کر دیا اور انہیں غش پڑنے لگے۔ کسی نے پوچھا: "انہیں کیا سمجھ آ رہی ہے اور وہ کیا جانتے ہیں؟۔ ہزاروں میں سے صرف ایک مسلمان اس طرح کی بات سمجھتا ہے۔ آخر انھوں نے ایسا کیا سمجھ لیا ہے کہ وہ سب رو پڑے ہیں"۔ میں نے جواب دیا: "ان باتوں کے اندر پوشیدہ معانی کو جاننا ضروری نہیں ہے۔ اصل اہمیت خود الفاظ کی اپنی ہے جنہیں یہ لوگ سمجھتے ہیں۔ آخر ہر کوئی اللہ کی وحدانیت کو مانتا ہے اور یہ بھی کہ وہ خالق، عطا کرنے والا، ہر چیز کو کنٹرول کرنے والا، ہر چیز کو اپنی طرف لوٹانے والا، معاف کرنے اور سزا دینے والا ہے۔ جب کوئی یہ الفاظ سنتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اور اس کی کتابوں کی یادگار ہیں، تو پھر ایک عالمی ہنگامہ بپا ہو جاتا ہے کیونکہ ان الفاظ میں سے ان کے محبوب خوشبو اور ظہور کا احساس ہوتا ہے[24]"۔

وحدت ادیان کے فلسفے کو سمجھاتے ہوئے رومی کہتے ہیں کہ کعبے کی طرف شام، ایران، چائنہ، ہند اور یمن کے ذریعے متعدد راستے جاتے ہیں۔ راستوں کا یہ تنوع شاندار ہے۔ حاجی کئی راستوں پر سفر کرتا ہے لیکن جب سب حاجی کعبہ میں پہنچ جاتے ہیں تو وہ سب ایک ہو جاتے ہیں اور ان کے درمیان تزکیہ اور محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے راستوں کے اختلاف پر تنازعات کھڑے کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ منزل کے ایک ہونے پر مسرت اور فرحت محسوس کرنی چاہیے۔ مولانا لکھتے ہیں:

"جب مومن اور کافر ایک ساتھ بیٹھ کر کچھ بھی ظاہر نہیں کرتے ہیں تو وہ دونوں ایک جیسے ہی ہیں۔ اس طرح خیالات کی ضبطی نہیں ہوتی ہے۔ دل ایک آزاد دنیا ہے۔ خیالات عیار و مکار ہوتے ہیں اور ان کی پڑتال نہیں کی جا سکتی ہے۔ جب تک خیالات دل میں ہوتے ہیں تب تک ان کی کوئی علامت یا کوئی نام نہیں ہوتا ہے۔ انہیں اسلام یا کفر کے لیے جانچا نہیں جا سکتا ہے۔۔۔ جس طرح جسموں کی ایک دنیا ہے اسی طرح نظریات کی بھی ایک دنیا ہے، تخیلات کا بھی ایک جہان ہے، مفروضوں کی بھی ایک دنیا ہے۔ خدا ان ساری دنیاؤں اور جہانوں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ وہ نہ تو ان دنیاؤں کے اندر ہے اور نہ ان سے باہر ہے[25]"۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا رومی کے نزدیک "دیگر ادیان" کا کوئی تصور سرے سے موجود ہی نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر دین بر حق ہے۔ ایک مقام پر نشہ عشق میں مست جلال الدین رومی نے اشعار کی رو سے فرمایا ہے کہ:

"اے مسلمان کیا کرنا ہے، میں تو خود کو بھی نہیں پہچانتا ہوں۔ میں نہ عیسائی ہوں، نہ یہودی اور نہ مسلمان ہوں۔ میں مشرق کا ہوں نہ مغرب کا، نہ زمین کا ہوں نہ سمندر کا ہوں۔ میرا مکاں لامکاں ہے اور میری پہچان بے پہچان ہے۔ میں نہ تو جسم ہوں اور نہ روح ہوں کیونکہ میں محبت کی روح کا حصہ ہوں۔ میں محبت کے جام سے بے خود ہوں۔ میری حدِ ادراک سے دو الفاظ گزرے ہیں۔ اے شمس تبریز۔ میں اس دنیا میں بدمست ہوں۔ خمار اور جشنِ مسرت کے علاوہ میرے پاس تمہیں سنانے کے لیے کوئی کہانی نہیں ہے[26]۔

مذکورہ بالا تمام بیانات اور ارشادات کا مقصد یہی تھا کہ کسی طرح دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ذہنوں میں مسلمانوں

کے تبلیغی مزاج کا ایک نرم تصور قائم کیا جائے اور انھیں مسلمان مبلغین کے نزدیک لایا جائے۔ لیکن یہ صرف ان کے فلسفے کا ایک رخ ہے۔ دوسری جانب مولانا روم کے بارے میں دینِ اسلام کی حقانیت اور قطعیت کے حوالے سے روایات بھی موجود ہیں۔ مثلاً:

> ایک مرتبہ ایک عیسائی نے مولانا کو بتایا کہ فلاں شیخ اور اس کے مریدوں نے ہمارے ساتھ شراب پی اور شراب کے نشے میں دھت ہو کر اس شیخ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہی خدا ہوں۔ یہ عقیدہ ہمارے ہاں درست ہے لیکن ہم مسلمان معاشرے میں اس کی ترویج اس لیے نہیں کرتے کیونکہ اس سے معاشرتی امن میں خلل پیدا ہو سکتا ہے۔ مولانا رومی نے جب یہ سنا تو اس کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت پر بحث شروع کر دی۔ آپ نے اسلام تصورِ توحید اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عقیدہ رسالت کی بھرپور طریقے سے وضاحت کی۔ آخر کار اس عیسائی نے یہ اقرار کر لیا کہ اس کہ عیسائی عقائد اپنے آباؤاجداد کی طرف سے وراثت میں ملے ہیں۔ اس موقع پر مولانا جلال الدین رومی نے اس عیسائی کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: "تمھیں اپنے والد کی جانب سے ایک مفلوج ہاتھ ملا ہے۔ اب تمھیں ایک ماہر جراح مل گیا ہے جو اس مفلوج بازو کو ٹھیک کر سکتا ہے لیکن تم یہ کہہ کر قبول نہیں کر رہے ہو کہ مجھے یہ ہاتھ مفلوج ملا ہے اور میں اس کے فالج کو ٹھیک نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ تمھیں ایک کھیتی میں کھارا پانی ملا جس پر تمہارے والد کی وفات ہو گئی تھی۔ پھر تمھیں اگلی کھیتی میں جا کر میٹھا پانی مل گیا جس سے اگنے والی جڑی بوٹیاں سرسبز اور اس کو پینے والے لوگ صحت مند ہیں۔ اس پانی کو پینے سے تمہاری ساری بیماریاں اور کمزوریاں دور ہو جائیں گی لیکن تم اس کی طرف جانے کی خواہش نہیں رکھتے ہو۔ اس کے برعکس تم کہتے ہو کہ ہمیں یہی کھیتی ملی ہے جس کا کھارا پانی کمزوریاں اور بیماریاں پھیلا رہا ہے اور ہم اسی پر قناعت کرتے رہیں گے۔ یہ کسی سمجھدار انسان کے الفاظ نہیں ہو سکتے ہیں[27]"۔

اسی طرح کی تبلیغی مساعی کے دوران ایک مرتبہ سامعین کو بتایا کہ:

> "اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل پیغمبر کو مبعوث فرمایا تھا۔ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کی تھی اس سے زیادہ مدد اس نبی ﷺ کی فرمائی تھی۔ اس کی آمد سے عیسیٰ علیہ السلام، اگر زندہ ہوتے تو، ان پر بھی فرض عائد ہوتا کہ وہ اسی پیغمبر ﷺ کی پیروی کریں[28]"۔

ضروری ہے کہ عیسائیت سے متعلق مولانا رومی کے خیالات کے دونوں رخ سامنے رکھے جائیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ وحدت ادیان کا فلسفہ مولانا نے تبلیغی مصلحت کے تحت دیا تھا جب کہ ان کا حقیقی مطمع نظر یہی تھا کہ لوگوں کو قریب کرتے ہوئے ان تک اسلام کی حقیقی تعلیمات پہنچائی جائیں۔

رومی کے بعد ابن عربی کا زیادہ تر کام تصوف اور تفسیر و تاویل سے متعلق ہے۔ مذاہبِ عالم کے بارے میں ان کے خیالات تین مراحل پر مشتمل ہیں۔ پہلے مرحلے پر ابن عربی کا خیال ہے کہ کہ ان سب کا منبع اور مشرب ایک ہی ہے اس لیے سب کی عزت اور سب کا احترام ضروری ہے۔ "دیوان ترجمان الاشوق" کے مطابق ان کے مندرجہ ذیل اقوال میں مذاہب عالم سے

متعلق ابن عربی کے خیالات جھلک رہے ہیں:

> "میرا دل ہر چیز کو قبول کرنے کے قابل ہے۔ یہ غزلوں کی چراگاہ، عیسائی راہبوں کی خانقاہ، بتوں کے لیے مندر، حاجیوں کے لیے کعبہ، تورات اور قرآن کی میز ہے۔ میں محبت کے مذہب کا پیروکار ہوں۔ محبت کے اونٹ جو لے لیں، وہی میرا دین اور ایمان ہے[29]"۔

دوسرے مرحلے پر ابن عربی کے ہاں مذاہب کے حوالے سے ایک تدریجی افضیلت پائی جاتی ہے جس کے مطابق احترام اور پیروی کے اعتبار سے اسلام کو تمام مذاہب پر "تفضُّل" حاصل ہے۔ ان کا فرمان ہے:

> "تمام الہامی مذاہب نور ہیں۔ باقی تمام مذاہب کے انوار ستاروں کی مانند ہیں جب کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر آنے والا دین چمکتے ہوئے سورج کی طرح ہے۔ جب سورج ظاہر ہوتا ہے، باقی ستارے چھپ جاتے ہیں اور ان کی روشنی سورج کی روشنی کے مقابلے میں ماند پڑ جاتی ہے۔ ستاروں کے ڈوبنے کی مثال دیگر مذاہب جیسی ہے جو محمد ﷺ پر نازل کردہ دین کے بعد منسوخ ہو چکے ہیں[30]"۔

تیسرے مرحلے پر ابن عربی کے ہاں غیر مسلموں کے لیے وہی موقف اور حکمرانوں کے لیے وہی نصیحت ہے جو دیگر علماء کی ہے۔ عیسائیت کے بارے میں انھوں نے قونیہ کے سلطان کو خط لکھا تو اس کو یاد دہانی کے لیے بتایا کہ ذمیوں کے بارے میں اسلام کے قوانین پر سختی سے عمل کروایا جائے اور اس ضمن میں عیسائیوں کے بارے میں قوانین کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ ان قوانین میں نمازوں کے اوقات میں ناقوس بجانے، مسلمانوں کے علاقوں میں کلیسا اور خانقاہ، مسلمانوں کے علاقوں میں پہلے سے تعمیر شدہ گرجوں کی مرمت، تثلیث کی تبلیغ، تعمیر کرنے کی ممانعت شامل ہے[31]۔

چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن عربی نے دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد انہیں اپنے مخصوص عقائد سے آگاہ کرنے کے ایک منفرد حکمت عملی اپنا رکھی تھی البتہ اس کے ساتھ ساتھ ان کی نظر میں ذمیوں کے حوالے سے اسلامی فقہی قوانین کا نفاذ بھی ایک اہم فریضہ تھا۔

ابو محمد عبد الحق بن سبعین اندلس کے مشہور عرب صوفی اور مفکر تھے۔ وحدت الوجود اور اخوت صوفیہ کے علمبردار تھے۔ فریڈرک دوم (پروشیا) کے فلسفیانہ سوالات کے جوابات لکھنے کی وجہ سے یورپ میں زیادہ مشہور ہوئے تھے۔ سپین میں پیدا ہوا اور سبتہ میں زندگی گزاری[32]۔

آپ کی تحریروں میں عیسائی راہبوں کے کئی ایسے واقعات ملتے ہیں جن کی بنیاد پر صوفیانہ عقائد کی توضیح کے کئی پہلو وا ہوتے ہیں۔ عبد الرحمان بدوی نے ان کو الرسائل میں ذکر کے مباحث کے ساتھ لکھا ہے:

> "ایک راہب نے رو کر مدد طلب کی۔ کسی نے وجہ جاننے کی کوشش کی تو اس نے بتایا کہ میں اپنے ذکر پر مسلسل ارتکاز نہیں کر پا رہا ہوں۔ میں وظیفہ پڑھتا ہوں تو اس میں خلل واقعہ ہو جاتا ہے۔ خدا کے ذکر میں خلل کی بنا پر میں اس سے دور ہوتا جا رہا ہوں اور اس کی قربت سے محروم ہو رہا

ہوں۔ میرے ساتھ آج جو ہوا ہے اس سے میں خدا کی پناہ طلب کرتا ہوں[33]"۔

ایک مرتبہ کسی راہب سے کسی نے پوچھا کہ کیا تم روزہ رکھتے ہو؟اس نے جواب دیا: "میرا روزہ ؟خدا کا ذکر ہی میرا روزہ ہے۔ جیسے ہی اس ذکر میں کسی اور کا خیال وارد ہوتا ہے، میرا روزہ بھی ٹوٹ جاتا ہے[34]"۔

کئی عیسائی راہب مستقل طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دلی طور پر ذکر اور ان سے جا وابستہ کر لیتے تھے، مذکورہ واقعہ میں بھی اس قبیل کے ایک راہب کا ذکر کیا گیا ہے۔اس ذکر کو عالم گیر پیرائے میں پیش کرتے ہوئے سبعینی لکھتے ہیں:

"انجیل میں کہا گیا ہے کہ مومنوں کی سانس ذکر کی جگہ ہے اور ذکر کی جگہ پر میں ظہور کرتا ہوں[35]"۔

اس قول میں راہبوں میں سانس کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرنے کی مشق کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ہر راہب کے لیے اس طرح کی عملی مشق کے ذریعے ذکر کو لازم قرار دیا گیا تھا۔ سبعینی نے لکھا ہے کہ:

"انجیل کہتی ہے کہ جو میرا ذکر نہیں کرتا ہے وہ اچھا بندہ نہیں ہے[36]"۔

سبعینی نے انجیل سے منسوب ان باتوں کا حوالہ پیش نہیں کیا ہے۔ راقم الحروف کو بھی یہ بیانات انجیل میں نہیں مل سکے ہیں۔ان کی تحریروں میں عیسائیت کے بارے میں مزید معلومات بھی پیش کی گئی ہیں۔مثلاً ذکر کے حوالے سے خدا کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ پیغام منقول ہے کہ:

"اے عیسیٰ !اس طرح میرا ذکر کرو جس طرح ایک بچہ اپنے والد کا ذکر کرتا ہے[37]"۔

یہاں عیسائیوں میں خدا اور بیٹے کے مقبول عقیدے کو بھی ظاہر کیا گیا ہے۔خدا یا عیسیٰ علیہ السلام کی یاد میں ڈوب جانے والے راہبوں کے سفر، قیام، تنہا زندگی، روزہ، خدائی آوازوں پر توجہ کا ارتکاز، الٰہی روشنی کے حصول کے لیے خدا کی قربت کے لیے تگ و دو کرنا وغیرہ کی روشنی میں سبعینی نے لکھا ہے کہ ہمارے عہد کے راہبوں میں یہ تمام سرگرمیاں تواتر کے ساتھ عمل میں آ چکی ہیں۔ سبعینی نے ان سرگرمیوں کے تواتر کے لیے لفظ "سنۃ" استعمال کیا ہے[38]۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری عشائیہ سے متعلق انھوں نے کچھ مبہم تصورات پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"انجیل میں یوحنا کی تعریف اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ الفاظ ملے ہیں جو انھوں نے آخری رات ارشاد فرمائے تھے۔ان ساری تفصیلات کا خلاصہ میں بیان کرنے جا رہا ہوں۔ میں صرف ان پر اشارہ کروں گا اور یہ تجویز نہیں دوں گا کہ کس پر عمل کر کے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے"۔

اس کے بعد انھوں نے نصائح کی ایک فہرست دی ہے جو تقریباً ناقابلِ فہم ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس فہرست میں اہلِ شام کی مذہبی اشرافیہ کی مذہبی سرگرمیوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ان کے مطابق ابو طالب مکی نے بھی اسی سے ملتی جلتی ایک فہرست پیش کی ہے۔ سبعینی اس بات سے خوف زدہ ہیں کہ ان کی بتائی ہوئی مبہم ترکیب کو جادوئی مقاصد کے لیے استعمال کیا جا

سکتا ہے۔ان کا خیال ہے کہ :

"جس طرح ہمیں ہماری روایات نے سکھایا ہے،اس طرح چلنے کی غرض سے ہمارے زاہدین جب دوسروں سے چیزیں سیکھتے ہیں تو ان کے لیے استثنا کی ایک صورت ہونی چاہیے[39]"۔

ان کو معلوم ہے کہ زیادہ تر مسیحی کیتھولک فرقے سے تعلق رکھتے تھے جن پر پوپ کی حکمرانی تھی۔اس لیے وہ پوپ پر بھی راہبانہ کیفیت کو، بطور ایک مذہبی اتھارٹی، لازم قرار دیتے ہیں جو بطور ایک مسلمان، تعجب انگیز ہے:

"مسیحیوں کے لیے،ان کے پوپ کا مقام بھی اس وقت تک پختہ نہیں ہو گا جب تک وہ پہلے انسانی زبان میں اور پھر روحانی زبان میں خدا کی یاد میں غرق نہیں ہو جاتا ہے۔ پوپ انسانی زبان میں خدا کو یاد کرنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ وہ فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ الٰہی زبان کا اطلاق کرتا ہے یہاں تک کہ اس پر دیوانگی طاری ہو جاتی ہے۔ وہ انسان، جو خدا کا اقنوم ہے[40]، کا نام لے کر خدا کا ذکر کرتا ہے[41]"۔

عیسائیوں کی تثلیثی الٰہیات کے مطابق یہ نقطہ بالکل واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ سمیت تمام فرقوں میں اقانیم ثلاثہ میں سے ایک اقنوم کا درجہ دیا گیا ہے۔ انجیل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو نور قرار دیا ہے:

"اس میں زندگی تھی اور وہ زندگی آدمیوں کا نور تھی۔ نور تاریکی میں چمکتا ہے اور تاریکی اس کو کبھی مغلوب نہیں کر سکتی ہے۔۔۔وہ (یوحنا) اس لیے آیا کہ اس کے نور کی شہادت دے اور سب لوگ اس کے ذریعے ایمان لائیں۔ وہ خود تو نور نہ تھا مگر نور کی گواہی دینے آیا تھا۔ حقیقی نور جو ہر انسان کو روشن کرتا ہے، دنیا میں آنے والا تھا[42]۔

اس حوالے سے سبعینی نے اپنے عہد کے عیسائیوں کے بارے میں بتایا ہے کہ :

"عیسائیوں میں روشنی کو خدا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے لیے بطور مجاز مرسل استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ خدا کی ایسی روشنی ہیں جسے خدا نے خود زمین پر بھیجا ہے۔ وہ مجسم واحد ہے لیکن کلام اور صورت میں متنوع ہے[43]۔ تضادات اس وقت درست قرار پاتے ہیں جب اس کی محترم شخصیت بذات خود جلوہ افروز ہوتی ہے۔ خدائی تجسیم کے بعد بظاہر عیسیٰ علیہ السلام ایک شخصیت ہیں لیکن کلام اور ظہور کے اعتبار سے متنوع ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ فلسفہ کے قریب ہونے کے اعتبار سے مسیحی الٰہیات کے پانچ بڑے بڑے مکتبہ ہائے فکر ہیں۔ ان میں سے ہر کوئی نور اور اس کے بڑھنے کے بارے میں بات کرتا ہے۔ ان کے علاوہ باقی اس قابل نہیں ہیں کہ مسلمان ان کے بارے میں بات بھی کریں کیونکہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا[44]"۔

مذکورہ عبارت میں سبعینی عیسائیت کے بارے میں کچھ معلومات سے پردہ تو اٹھاتے ہیں لیکن انھوں نے جن مکاتبِ فکر کا نام لیا ہے، ان کی وضاحت نہیں کی، تا حال ان کی پہچان کرنا ایک مشکل امر ہے۔

اختتام

اسلام کے ابتدائی صوفیانہ دور میں گوشہ نشینی اختیار کرنے والے نساک پر عیسائی رہبانیت کا گہرا اثر تھا۔ان کے زیادہ تر عقائد عیسائیوں کے زیر اثر تشکیل پائے تھے۔بعد میں عیسائیوں سے متعلق صوفیاکے نظریات میں تبدیلی آتی گئی۔

رہبانیت کو صوفیا نے کبھی بھی تصوف سے ہم آہنگ نہیں سمجھا ہے بلکہ انھوں نے ہر موقع پر اس کو ایک حریف مذہبی نظام کے طور پر دیکھتے ہوئے اسلام کا تفوق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صوفی اکابر نے ہر مذہب کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا ہے۔ان کے عہد میں جو راہب ہمہ وقت عبادت گزاری میں محو رہتے تھے، صوفیا نے ان کی ریاضت و عبادت کی حوصلہ شکنی کرنے سے گریز کیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ ان کی نظر میں عیسائیت یا اس کی پروردہ رہبانیت بر حق ہے۔

عیسائیوں کے کلیساؤں میں، عرب کے صحراؤں میں، مسلمانوں کی خانقاہوں پر یا زندگی کے کسی بھی مرحلے میں ان کی ملاقات یا آمنا سامنا عیسائیوں کے ساتھ ہوتا تو ان کا رویہ ایک سرمست انسان جیسا نہیں بلکہ ایک مبلغ جیسا ہو جاتا تھا۔

صوفیا کے پیش کردہ مذہبی ادب میں ان سرگرمیوں اور عقائد کا ذکر بھی ملتا ہے جو ان کے زمانوں میں مقبول اور مروج تھے۔البتہ ان تحریروں میں علمیت کی کمی اور تجزیے کا غلبہ نظر آتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

[1] ابوالحسن الاشعری، مقالات الاِسلامیین واختلاف المصلین، (عربی نسخہ) تحقیق: ہیلوٹ ریٹر، ویسباڈن، جرمنی، طبع 1963، ص 367

[2] *McKim, Donald K. Westminster dictionary of theological terms. Louisville, Kentucky: Westminster John Knox Press, 1996, p. 140*

[3] بائبل میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا خدا بذات خود زمین پر موجود ہو:

"وہاں خدا کا فرشتہ ایک جھاڑی کے اندر آگ کے شعلوں میں اس پر ظاہر ہوا۔موسیٰ نے دیکھا کہ وہ جھاڑی جل رہی ہے لیکن راکھ نہیں ہوتی۔لہٰذا موسیٰ نے سوچا کہ میں اچھی طرح جائزہ لوں گا اور اس عجیب منظر کو دیکھوں گا کہ آخر وہ جھاڑی بھسم کیوں نہیں ہوتی؟جب خدا نے دیکھا کہ وہ بھیڑ بکریوں کو چھوڑ کر جھاڑی کے پاس آ پہنچا ہے کہ اس کا جائزہ لے تو خدا نے جھاڑی میں سے اسے پکارا کہ موسیٰ! موسیٰ!۔ اور موسیٰ نے کہا کہ میں حاضر ہوں۔تب خدا نے کہا کہ بہت زیادہ نزدیک مت آنا اور اپنے پاؤں سے جوتا اتار کیونکہ جس جگہ تو کھڑا ہے وہ مقدس زمین ہے۔پھر اس نے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا، ابرہام کا خدا، اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔اس پر موسیٰ نے اپنا منہ چھپالیا

کیونکہ وہ خدا پر نظر کرنے سے ڈرتا تھا۔اور خدا نے کہا۔۔۔میں انھیں (موسیٰ کی قوم) کو مصریوں کے ہاتھوں سے چھڑانے کے لیے اترا ہوں تا کہ انھیں اس ملک سے نکال کر ایک اچھے اور وسیع ملک میں جہاں دودھ اور شہد بہتا ہے ،یعنی کنعانیوں، حبشیوں، اموریوں، فرزیوں، حویوں اور یبوسیوں کے ملک میں پہنچادوں۔۔۔میں تیرے ساتھ ہوں گا۔۔شاہِ مصر کے پاس جا کر کہنا کہ خداوند کی یعنی عبرانیوں کے خدا کی ہم سے ملاقات ہوئی ہے۔(کتاب مقدس، انٹر نیشنل بائبل سوسائٹی، اردو نسخہ، خروج باب نمبر 3 مکمل)

[4]قرآن میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ کی جانب آگ دیکھی۔وہ اس کی جانب بڑے تو انہیں وادی کے دائیں حصے میں لگے ہوئے ایک درخت سے اللہ تعالیٰ نے آواز دی اور بتایا کہ میں سارے جہانوں کا رب ہوں (القصص:29،30) آپ وادی طویٰ میں موجود ہیں اس لیے اپنی جوتیاں اتار دیجیے۔میں نے آپ کو اپنا نبی منتخب کیا ہے۔میرے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے اس لیے محض میری ہی عبادت کریں اور مجھے یاد کرنے کے لیے نماز ادا کریں (طہٰ:11تا14)

[5]خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا لیکن اس کے اکلوتے بیٹے نے جو باپ کے پہلو میں ہے اسے ظاہر کیا (۔یوحنا، باب نمبر 1، آیت نمبر 18)

باپ کو کسی نے نہیں دیکھا سوائے اس کے جو خدا کی طرف سے ہے۔صرف اسی نے باپ کو دیکھا ہے۔(یوحنا، باب نمبر 6، آیت نمبر 46)

[6]کرنتھیوں کے نام پولس کا پہلا خط، باب نمبر 6، آیت نمبر 3

[7]اس ضمن میں تفصیل کے لیے دیکھیے:

Margaret Smith, Studies in Early Mysticism (London, 1931). See "conclusion"

[8] *Tor Andrae, Islamische Mystiker ‹Stockholm: Bonnier, 1947, P. 211*

[9]ڈاکٹر ابو العلا عفیفی، تاریخ التصوف الاسلامی وتاریخہ، الجنتہ التالیف والترجمۃ والنشر، قاہرۃ، 1956ء، ص، و

[10]*J.Balick, Mystical Islam, I.B, Tauris, London, 1989, P. 9*

[11]ابو نعیم الاصبہانی، حلیۃ الاولیا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج2، ص نمبر 365

[12]إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ

بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے (یوسف:53)

[13]حلیۃ الاولیاء، جلد نمبر 10، ص 288

[14]البقرہ:115

[15]کتاب مقدس (اردو ایڈیشن)، انٹر نیشنل بائبل سوسائٹی، امریکہ، طبع 2005ء، متی باب نمبر 6، آیات 25تا33، ص 977

[16]عیسائیوں کا ایک ایسا فرقہ جس نے انجیل کو مسائل کو افلاطون اور فیثا غورث کے عقائد کے مطابق کیا تھا۔اس فرقے کا ایمان تھا کہ ایمان کے بجائے علم سے نجات ملتی ہے۔

[17]حلیۃ الاولیاء، ج9، ص 356

[18] حلیۃ الاولیاء، ج 9، ص 383،367

[19] محمد بن منور، اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابوسعید، طبع طہران،1313ھ، ص 40

آن لائن اشاعت:

http://www.sufi.ir/books/download/farsi/aboosaeed/asraro-tohid.pdf

[20] ایضا، ص 85

[21] جلال الدین رومی، کتاب فیہ ما فیہ کا *A.J Arberry* نے "*discourses of rumi*" کے نام سے انگریزی ترجمہ لکھا ہے جس کو "*OMPHALOSKEPSIS Books, Ames, Iowa*" نے شائع کیا تھا۔ مقالہ ہذا میں اسی کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اس کی آن لائن اشاعت مندرجہ ذیل ویب لنک پر موجود ہے۔(http://rumisite.com/Books/FiheMaFih.pdf)

[22] *Discourses of Rumi, P. 373*

[23] *Discourses of Rumi, P. 287*

[24] *Discourses of Rumi, P. 174-175*

[25] *Discourses of Rumi, P. 177*

[26] *R. A. Nicholson, Selected Poems from Divani Shamsi Tabriz (Cambridge, 1898; repr. 1952), no. 21, pp. 124ff.*

[27] *Discourses of Rumi, P. 226-227*

[28] *Discourses of Rumi. P. 228*

[29] ابن عربی، ترجمان الاشواق، دار الکتب العربی، بیروت، 1961ء، ص نمبر 43

[30] ابن عربی، الفتوحات المکیۃ، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، طبع 1420ھ، ج 3، ص 153

[31] الفتوحات المکیۃ، جلد نمبر 4، ص 547

[32] عبدالرحمان بدوی، الرسائل لابن سبعین، قاہرہ، 1965 اس ضمن میں اہم ترین کتاب ہے۔

[33] الرسائل، ص 157

[34] الرسائل، ص 159

[35] الرسائل، ص 165

[36] الرسائل، ص 164

[37] الرسائل، ص 164

[38] الرسائل، ص 165

[39] الرسائل، ص 182

[40] یہاں اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

[41] الرسائل، ص 161

[42] یوحنا کی انجیل، باب نمبر 1، آیات 4تا8

[43] سبعینی اس جملے میں تثلیت کو بیان کرتے ہیں۔

[44] الرسائل، ص 187